قسط سوم :-

گلہائے رنگا رنگ

ملفوظاتِ رُومی
یا
فیہ مافیہ کا اردو ترجمہ

(۴)

جناب مولانا مہر محمد خاں شہاب مالیر کوٹلوی

ملفوظاتِ رومی (اُردو) ہی وہ کتاب ہے جس کا پیش لفظ پڑھ کر اس پریشان نوائی اور طول کلامی کی ضرورت پیش آئی، جیساکہ اوپر ذکر آچکا ہے۔ "ملفوظاتِ رومی" پروفیسر فروزانفر کے مُرتبہ نسخہ فیہ مافیہ کا اردو ترجمہ ہے، اس کے مترجم جناب تبسم اپنے ترجمہ کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :-

"ہمارا ترجمہ ایرانی ایڈیشن کے بالکل مطابق ہے، اور اس کی صحت و عدم صحت دیکھنے کے لئے اس کا مقابلہ ایرانی (بدیعی، شہاب) ایڈیشن ہی سے کرنا چاہئے" (پیش لفظ ملفوظاتِ رُومی ۱۵)

اگر مطلب پورا پورا ادا ہوگیا تو کتاب کے مضمون اور اس کی زبان کا مقصد پورا ہوگیا۔ لیکن اگر ترجمہ میں مصنف کا مافی الضمیر ادا نہیں ہوتا اور لفظ خوبصورت ہیں، تو ان کی مثال کاغذی پھولوں کی ہوگی۔

جن میں رنگ تو ہے، مگر خوشبو نہیں، میں نے نسخۂ بدیعی کو از اول تا آخر پڑھا ہے، بگر ملفوظاتِ رومی کے صرف انہی مقامات کو دیکھا ہے، جو اتفاقاً اوراق کی الٹ پلٹ میں سامنے آگئے، یا فیہ ما فیہ کے بدیعی نسخہ کے دورانِ مطالعہ میں کوئی کھٹک پیدا ہوئی تو اسی وقت "نسخۂ ماجدی" کو بھی دیکھا اور "ملفوظاتِ رومی" میں سے بھی متعلقہ مضمون کا ترجمہ نکال کر دیکھ لیا۔ جس سے ترجمہ کی بانگی نظر آگئی مثلاً "نسخۂ بدیعی" کے صفحہ ۲۲۱ سطر ۱۸-۱۹ میں یہ فقرہ آیا ہے :-

"تنِ ما مانندِ کندو بیست"

یہی فقرہ نسخۂ ماجدی کے صفحہ ۲۲-۲۲۱ پر آیا ہے۔ "ملفوظاتِ رومی" کے صفحہ ۳۵۲ پر اس فقرہ کا ترجمہ کیا گیا ہے کہ :-

"ہمارا جسم ایک مٹھور کی طرح ہے"

یہ "مٹھور" فارسی لفظ "کندو" کا ترجمہ ہے، میں آج تک "کندو" کے لئے "شہد کا چھتا" "مکھیال" یا "مہال" بولا کرتا تھا۔ ہمارے مشرقی پنجاب میں یہی لفظ بولے اور سمجھے جاتے ہیں۔ یقیناً شہد کے چھتے کے لئے "مٹھور" کا لفظ اس برصغیر (ہندوپاکستان) کے کسی نہ کسی حصہ میں ضرور بولا جاتا ہوگا۔ جس کا مجھے علم نہیں، اس لئے اس لفظ سے میرے علم میں اضافہ ہوا اور میں خوش ہوں۔

مضمون کا یہ ٹکڑا اسنا کر ہمارے ایک اَوَدھی فاضل دوست نے بتایا کہ اودھ میں "مٹھور" مٹی کے اس بڑے ماٹ کو کہا جاتا ہے، جس میں گھروں میں اناج بھر کر رکھا جاتا ہے، میں نے سن کر کہا بہت مناسب، اگر موم کا بنا ہوا شہد کا چھتا "مٹھور" کہلا سکتا ہے تو مٹی کا بنا ہوا بڑا ماٹ۔ جس میں اناج کا ذخیرہ رکھا جاتا ہو کیوں مٹھور نہ کہلائے۔ ترجمہ کے دو تین نمونے آگے چل کر اور بھی اپنے اپنے مقام پر آپ دیکھیں گے، یہاں تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ تبسم صاحب کی ہدایت کے مطابق جب ان کے ترجمہ کو دیکھا گیا، تو لشدت محسوس ہوا کہ "بدیعی نسخہ" کی جن خوبیوں کی طرف ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں ان میں سے ایک خوبی بھی "ملفوظاتِ رومی" میں نہیں پائی گئی، تبسم صاحب بدیعی نسخہ کی ان خوبیوں کو

اپنے ترجمہ میں تو کیا ملحوظ رکھتے، جبکہ بدقسمتی سے ان کو ان خوبیوں کا احساس ہی نہیں ہے تو پھر ان کا اعتراف کیا کرتے، یہ ایک معمہ ہے کہ نسخۂ بدیعی کی خوبیوں کی طرف سے یہ بے التفاتی کیوں ہے اور ماجدی نسخہ سے یہ شغف کیوں کہ جا دبے جا اکثر جگہ بطور خوبی اس کا ذکر موجود ہے۔ حال آنکہ انصاف تو یہ تھا کہ دونوں نسخوں اور ان کے مرتبوں کو ان کی علمی مساعی کے لئے ان کا حق واجبی دیا جاتا

"ملفوظاتِ رومی" کے پیشِ لفظ کو لیجئے، غلطیوں اور غلط فہمیوں کا مرقع ہے، تبسم صاحب کا "پیش لفظ" خاموش ہے کہ بدیعی نسخہ کی خصوصیات کیا ہیں، کیا وہ متن ہی متن ہے، یا اس میں کوئی حواشی بھی ہیں، کیا آپ کے پیشِ نظر صرف یہی ہے کہ متن ہی کا ترجمہ کر دیا جائے۔ یا حواشی و تعلیقات کو بھی اپنانا چاہتے ہیں۔ متن کے ذیل یا حاشیہ میں جو اختلافِ نُسَخ دیا گیا۔ یا متن کے اندر جو مختلف نسخوں کی عبارت بطور توضیح مطلب داخل کی گئی ہے، ترجمہ میں اس کے امتیاز کو برقرار رکھا گیا ہے یا نہیں، پھر اگر "بدیعی نسخہ" کے حواشی و تعلیقات سے مترجم کو استفادہ منظور ہے تو کس حد تک؟ ترجمہ میں یا ترجمہ کے پیشِ لفظ یا مقدمہ میں ان کے حوالے یا حوالوں کی کیوں ضرورت سمجھی نہیں گئی، حواشی کی تفصیلِ بامعنی کو اختصار مبہم میں کیوں بدل دیا گیا۔؟

مولانا عبدالماجد نے اپنی کتاب کا مسودہ، مسودہ کی کاپیاں اور ان کے پروف اپنے وقت کے بڑے بڑے علماء کو ہر مرحلہ پر دکھائے۔ لیکن نہیں معلوم تبسم صاحب نے اپنے مشیر علماء کو اپنے مسودہ کا ترجمہ دکھایا یا نہیں دکھایا۔ اگر دکھایا تو انھوں نے کوئی مشورہ دیا یا نہیں دیا۔ اگر کوئی مشورہ دیا تو اس کی تعمیل کہاں تک ہوئی؟ نہیں ہوئی تو کیوں نہیں ہوئی، مولانا عبدالماجد اپنی کتاب کی تمام غلطیوں کی ذمہ داری آپ لیتے ہیں، اور آپ خاموش رہ کر گویا سارا بار اپنے مشیر علماء کے کندھوں پر ڈال دیتے ہیں، آپ کہتے ہیں کہ نہیں معلوم مولانا عبدالماجد فیہ ما فیہ نسخۂ بدیعی کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں، میں عرض کرتا ہوں کہ آپ بتائیے کہ نسخۂ بدیعی اور اس کا آپ کا کیا ہوا ترجمہ ملفوظاتِ رومی دیکھ کر آپ کے مشیر علماء نے کیا فرمایا، اگر مولانا عبدالماجد نے اس ترجمہ کے بارے میں کچھ تحریراً ارشاد فرمایا ہو، تو مجھے اس کے دیکھنے کی بھی تمنا ہے۔

کاش آپ یہ بھی بتاتے کہ فیہ ما فیہ کے بدیعی نسخہ کی ترتیب کیا ہے، اس کے ماخذ کون کون سے ہیں؟ تبسم صاحب نے اس بارے میں جو کچھ بھی کہا ہے، وہ عموماً حقیقت کے خلاف ہے، بدیعی نسخہ کے مصحح نے اپنے نسخہ میں کیا ترتیب قائم کی ہے، باہم مختلف نسخوں کو کہاں ملایا اور کہاں سے کتنا قبول کیا اور کس مخطوطہ کو پہلا، دوسرا اور تیسرا درجہ دیا اور کیوں دیا؟ املاء قدیم کی پیروی کہاں تک کی گئی؟ کسی مخطوطہ کی نقل میں کہاں تک اصلیت کو قائم رکھنے کے لیے حق وحقیقت کی پابندی کی گئی،

تبسم صاحب نہیں بتاتے کہ آپ بدیعی نسخہ سے کیا لے رہے ہیں؟ اور کیا چھوڑ رہے ہیں؟ آپ کا ترجمہ یعنی ملفوظات رومی کا پڑھنے والا یہی سمجھتا ہے کہ آپ کی کتاب میں متن کی عبارت تو بدیعی نسخہ کے متن کا ترجمہ ہے، اور آپ کی کتاب ملفوظاتِ رومی کے حواشی سب کے سب آپ کی کاوشِ فکر کا نتیجہ ہیں۔ قاری کے اِس خیال کو مضبوط کرنے والے غالب و اکبر الٰہ آبادی اور اقبال (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے وہ اشعار ہیں جو متن کا مفہوم واضح کرنے کے لیے چند جگہ پر لفظ ' مترجم ' کی تصریح کے ساتھ یا کسی قسم کی تصریح کے بغیر حاشیہ میں لکھ دیئے گئے ہیں، حال آنکہ کتاب بھر کے حاشیوں میں صرف یہ چند شعر اور ' محو و صحو ' کے دو لفظوں کے معنے تو آپ کا حصہ ہیں (واللہ اعلم) باقی تمام حواشی پروفیسر فروزانفر کی سعی وتلاش کا نتیجہ ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ " نسخۂ بدیعی " میں ہر بات پورے حوالے کے ساتھ کہی گئی ہے، اور تبسم صاحب کے ترجمہ ملفوظات میں پورا حوالہ تو کیا ہوتا، اکثر و بیشتر حوالوں میں یہ تک نہیں بتایا گیا کہ حاشیہ کے اشعار کس شاعر یا صوفی یا حکیم کے ہیں، اور بعض جگہ تبسم صاحب نے نسخۂ بدیعی کے حوالہ میں جو تصرف فرمایا ہے اس نے ایرانی حاشیہ نگار کی صحیح بات کو غلط در غلط کر دیا ہے، ملفوظاتِ رومی کے متن میں قرآنی آیات کے حوالوں، آیتوں کے لفظوں میں غلطیاں ہوگئی ہیں (ارادی نہیں اضطراری یا اتفاقی مگر غلطیاں غلطیاں ہی ہیں) اور افسوس ہے کہ کسی ذمہ دار شخص نے محسوس نہیں کیا کہ اتنی اہم کتاب کس شکل اور کس حال میں علمی دنیا کے ہاتھوں میں جا رہی ہے، اور اسے اس حال میں پڑھ کر باخبر لوگ کیا خیال کریں گے، اور ان بے چارے لوگوں کا جن کا ذریعۂ معلومات ایسی گنی چنی کتابوں کی ورق گردانی ہوگا، کیا حشر ہوگا۔

ہمیں تبسم صاحب سے اس بات کی شکایت ضرور ہے کہ انھوں نے پروفیسر بدیع الزماں فروزانفر ایسے فاضل کی بے مثال علمی مساعی کی تعریف تو ایک جگہ بھی نہیں کی۔ مگر ان کی واقعی یا خیالی غلطیاں ظاہر کرنے میں کہیں چشم پوشی سے کام نہیں لیا، بلکہ اس کے برخلاف موقع بموقع مختلف طریقوں سے بدیعی نسخہ اور اس کے مؤلف کی غلطیوں کو ابھارا ضرور ہے، ان کی بتائی ہوئی غلطیوں اور غلط فہمیوں پر تو آگے مفصل گفتگو ہوگی، یہاں تبسم صاحب کے "پیشِ لفظ" کی چند باتوں کی طرف اشارہ ضروری ہے۔

کسی تحریر میں غلطیاں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک کتابت وطباعت کی اور دوسری قسم کی غلطیاں مصنّف یا مترجم یا محرر کی ہوتی ہیں، ابھی دوسری قسم کی غلطیوں سے گفتگو کو ملتوی رکھئے، پہلی قسم کی غلطیوں کو لیجیے:۔

۱۔ پیشِ لفظ ص۹ سطر۱۲ پر پروفیسر نکلسن کے انتخاب شمس تبریز کا حوالہ ص۱۷ پر چھپا ہے۔ حالانکہ وہ حوالہ اُس کتاب کے ص××۷ پر چھپا ہے،

۲۔ تبسم صاحب کے ملفوظات رومی اُردو کے پیشِ لفظ کے ص۱۱ پر لکھا ہے کہ:۔

"مولانا دریابادی نے سات علماء سے مدد لی۔ جس میں سید سلیمان ندویؒ اور مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی شامل ہیں"

اس "جس" کا تعلق اگر "مدد" سے ہے تو بالکل ٹھیک ہے اور اگر "سات علماء" سے ہے تو غلط ہے۔

۳:۔ "پروفیسر بدیع الزماں فروزانفر کو استنبولی نسخوں کے برعکس مل گئے"

(پیشِ لفظ ملفوظات رومی ص۱۲)

یہاں صرف "عکس" تھا۔ مگر کاتب نے "عکس" کو "برعکس" بنا دیا۔

۴۔ پیشِ لفظ کے ص۱۲ سطر۷ میں آخری لفظ "ہوتا" کی بجائے "ہونا" چاہئے۔

۵۔ پیشِ لفظ کے ص۱۲ سطر۱۸ پر "مولانا کے اشارات میں" یہاں "کے" کی بجائے "نے" چاہئے

یہ تو محض نمونہ ہے ورنہ ایسی اصلاحات کا تنا نہ سے کتاب بھری پڑی ہے۔

اب تبسم صاحب کا ایک طرفہ ارشاد ملاحظہ فرمایئے۔ آپ ملفوظاتِ رومی کے ص۱۸ سطر۱۳، ۱۴ میں

فرماتے ہیں کہ :-

"اس کتاب (فیہ ما فیہ کے متن فارسی) میں شروع سے لے کر اخیر تک جو بات ادبی مذاق پر گراں گزرتی ہے وہ یہ ہے کہ اکثر فقروں کے آدھے حصہ میں مخاطب کو "تو" کہہ کر خطاب کیا گیا ہے اور آدھے میں "شما" سے خطاب ہے، اسی طرح فقرہ کے آدھے حصہ میں متکلم "من" ہے آدھے میں "ما"

ایسی ہی باتوں سے متاثر ہو کر حضرت تبسم فرماتے ہیں کہ :-

"غالباً مطالب کی یہی ژولیدگی فیہ ما فیہ کی وجہ تسمیہ ہے"

(پیش لفظ ملفوظات رومی صفحہ ۱۸ سطر ۲-۳)

یہاں بالطبع سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر فیہ ما فیہ کی "ژولیدگی" بیان کا یہ عالم ہے تو وہ کون سی ضرورت تھی جو تبسم صاحب نے اس کتاب کے ترجمہ کی زحمت گوارا فرمائی - یا مولانا عبدالماجد دریابادی اور پروفیسر فروزانفر کی طرح کون سی علمی یا روحانی گرہ کشائی کا جذبہ تھا۔ جس سے متاثر ہو کر اس علمی ولسانی "گشنبہ"[1] میں ہاتھ ڈالا گیا ؟

قطع نظر اس بحث کے اصلی موضوع کو دیکھئے کہ اس "ژولیدگی بیان" کو سلجھانے کے لئے فاضل مترجم نے جن علماء و فضلاء پاکستان کی طرف توجہ فرمائی ان کا ذکرِ خیر جناب مترجم ہی کے قلم سے پڑھئے - ارشاد ہے کہ :-

فیہ ما فیہ کے ترجمہ میں مشکلات درپیش آنے پر ہم نے پروفیسر علم الدین سالک، صدر شعبۂ فارسی اسلامیہ کالج لاہور، مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری اور پروفیسر حسن الدین سابق صدر شعبۂ عربی اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی سے رجوع کیا۔

ان کی مدد کے ہم تہ دل سے ممنون ہیں - نیز

کتاب کی پروف ریڈنگ کے لئے عزیزم فصیح الدین قریشی کی اعانت کا شکر گزار ہوں۔

(پیش لفظ ملفوظاتِ رومی صفحہ ۱۹ سطر ۳ تا ۷)

[1] یہ بھی مولانا کے ایک بیان کی طرف اشارہ ہے جس کا بحث میں ایک جگہ ذکر آیا ہے۔ شہاب

جواز وصحت کے لئے دلائل تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، "یہ" "ہم" "اور" "ہوں" "اور جس" "اور ہیں" کے محولہ بالا الفاظ کو کاتب ہی کی کرامت سمجھنا چاہئے۔ اور اسی سلسلہ میں ایک اصولی بات قابلِ گزارش یہ ہے کہ فیہ ما فیہ کے طرز بیان کو تبسم صاحب نے اپنے ادبی مذاق پر گراں قرار دیا ہے۔ میں ادب سے عرض کروں گا کہ یہ بات ان کے ادبی مذاق کی پختگی کی علامت نہیں، زبانوں کی نشوونما میں بہت سے مرحلے آتے ہیں، جن میں سے زبان وبیان کو گزرنا پڑتا ہے، اس کی کچھ نظیریں نسخۂ بدیعی کے حواشی وتعلیقات کے صفحہ ۲۴۲ پر بھی دی گئی ہیں، لیکن طرفہ یہ ہے کہ باوجود اہلِ زبان ہونے کے ایرانی فاضل کے ادبی مذاق پر فیہ ما فیہ کی یہ زبان اور پیرایۂ بیان گراں نہیں گزرا۔

علاوہ ازیں ایک دوسرے نقطۂ نظر سے غور فرمائیے، ہمیں بچپن میں فارسی کی جو پہلی کتاب پڑھائی گئی تھی وہ "کریما" تھی۔ اسی کتاب مبارک سے ہمارے ہاں فارسی تعلیم کی بسم اللہ ہوا کرتی تھی۔ اسی کریما کے پہلے اور تیسرے شعر میں آدھے جملے میں "ما" اور آدھے میں "من" موجود ہے، یعنی:-

کریما بہ بخشائے بر حالِ ما — کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا
نگہدار مارا ز راہِ خطا — خطا در گزار و صوابم نما

کسی صاحب کو یہ خیال نہ گزرے کہ "کریما" کے مطبوعہ نسخوں میں "ہستم" کی بجائے "ہستیم" بھی ملتا ہے، اس لئے "ہستم" پڑھنا صحیح نہ ہوگا، لیکن جب تقطیع کا سوال ہوگا تو کیا علاج ہوگا۔ خیر، اس کو متنازعہ فیہ رہنے دیجئے، مگر "کریما" کے دوسرے منقولہ شعر میں تو اس قسم کی کسی قیل وقال کی گنجائش نہیں۔

یہ مثال تو "کریما" سے ماخوذ ہے، اور "کریما" حضرت شیخ سعدی شیرازی کی ہو یا نہ ہو۔ کسی ہندی سعدی کی بھی ہو یا نہ ہو، تاہم ہماری قدیم درسی کتابوں میں سے ایک اہم کتاب ضرور ہے۔ اور اس حقیقت کا انکار آسان نہیں۔ لیکن ہے بہرحال یہ کتاب پرانے زمانہ کے پیرایۂ بیان کی ایک یادگار، اس لئے جب زمانۂ حال میں آتے ہیں تو عصرِ حاضر کے مشرق کے شاعرِ عظیم۔ اور مرشد رومی کے روحانی تلمیذ ومسترشد، یعنی اقبالِ پُر جمال وجلال وباکمال نے بھی اسی فیہ ما فیہ کی زبان

اور اسی کا پیرایۂ بیان اختیار فرمایا ہے، جہاں ارشاد ہے ؎

زمن صوفی و ملا را سلامی ٭ کہ پیغامِ خدا گفتند ما را (ارمغانِ حجاز)

کتابت وطباعت کی غلطیوں اور بے احتیاطیوں کی اندوہناک مثال ملفوظات رومی کے پیش لفظ ص ۱۲-۱۴ کی غلطیاں یا لفظ کشیاں ہیں، جہاں فاضل مترجم نے نسخۂ ماجدی اور نسخۂ بدیعی کے پانچ اختلافی نمونے بطور نمونہ دکھائے ہیں، ہم ان اختلافات پر آگے چل کر مفصل گفتگو کریں گے۔

فیہ ما فیہ کے ماجدی اور بدیعی نسخوں کے باہمی اختلاف پر نظر

(۵)

مولانا عبدالماجد کے سامنے تین ہندوستانی مخطوطے ہیں، ان تینوں نسخوں کے باہمی اختلاف کے متعلق موصوف کی رائے ہے کہ:-

"اختلافات بکثرت پائے گئے، گو زیادہ تر وہ اختلاف محض جزئی ولفظی نکلے، کوئی اہم اور بڑا اختلاف جس سے مفہوم ہی سرے سے بدل جاتا ہو، بحمد اللہ نظر نہیں آیا"

(دیباچۂ فیہ ما فیہ مرتبہ مولانا عبدالماجد ص ک سطر ۱۵ تا ۱۸)

یہ تو تھا ہندوستانی مخطوطوں کا حال، مگر جب قسطنطنیہ کے چار مخطوطوں کی نقل صحیح ملی تو آپ نے اس نقل کو بھی اپنے ہاں کے ہندوستانی مخطوطوں سے ملایا، تو جو فرق نظر آیا- وہ یہ تھا کہ:-

"ناظرین اس مطبوعہ نسخہ (ماجدی) کے ص ۱ کے وسط پر یہ نوٹ ملاحظہ کریں گے کہ وہاں تینوں ہندی نسخے عملاً ختم ہوجاتے ہیں اور باقی ۲، صفحہ استنبولی نسخوں میں پائے جاتے ہیں، اس کے مقابلہ میں دیباچہ کی عبارت صرف ہندی نسخوں میں ہے۔ استنبولی نسخوں میں نہیں، اور وہ کھلا ہوا اضافہ یا الحاق ہے۔ ہندی اور استنبولی نسخوں کے درمیان کہیں کہیں عبارت میں بھی تقدیم وتاخیر کا فرق ہے، اور چند چیزوں کے سوا کوئی اور بڑا فرق ہندی اور استنبولی نسخوں میں نہیں، صحت کی بنا پر قدرۃً میں نے سب سے زیادہ اعتماد استنبولی نسخہ ہی پر کیا ہے، اسی کی عبارت کو عموماً ترجیح

دی ہے" (دیباچہ مرتب نسخہ ماجدی ص۵ سطر ۶ تا ۱۳)

جب ماجدی نسخہ کے ص۱۷ کے اشارہ کی بنا پر مولانا دریا بادی کے ارشاد کے مطابق نسخہ بدیعی کو بھی دیکھا گیا تو نظر آیا کہ نسخہ ماجدی کے ص۱۷ سطر ۶ کے خاتمہ کی عبارت بدیعی نسخہ کے ص۱۶۵ سطر ۱۵ پر ختم ہوتی ہے اور پھر آگے اسی شعر سے شروع ہو جاتی ہے جس سے ماجدی نسخہ کی اگلی عبارت شروع ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دونوں نسخوں یعنی ماجدی اور بدیعی کے ماخذ ایک ہیں، نہ اس طرح جس طرح تبسم صاحب خیال کرتے ہیں بلکہ اس طرح کہ مولانا عبدالماجد کو حاصل ہونے والے متاخر اور فاضل بدیع الزماں کو حاصل ہونے والے متقدم مخطوطوں کا سرچشمہ ایک ہے، ان میں باہمی جزئی فرق ہے، لفظی فرق ہے، عبارتوں میں تقدیم و تاخیر ہے، لیکن معنوں کا اختلاف یا معنوی تضاد نہیں یا بقول مولانا عبدالماجد "استنبولی اور ہندی نسخوں میں ایسا اختلاف نہیں، جہاں ایک کا بیان دوسرے کے بیان کے مخالف یا اس سے متضاد ہو۔ پروفیسر بدیع الزماں نے بھی اپنے پیشِ نظر مخطوطوں اور مولانا عبدالماجد کے نسخہ میں کسی ایسے اختلاف کی مثال پیش نہیں کی، تبسم صاحب کے پیش کردہ اختلافی نمونوں کو ہم آگے چل کر مطالعہ کریں گے۔

میں نے آج تو نہیں مدتوں پہلے ماجدی نسخہ پڑھا تھا اور بدیعی نسخہ اب پڑھا ہے، اس کے دورانِ مطالعہ میں جہاں بھی کھٹک سی پیدا ہوئی، نسخہ بدیعی کے بیان کو ماجدی نسخہ کے بیان سے ملا کر دیکھ لیا۔ ہر جگہ لفظی اور جزئی فرق (اختلاف یقیناً) دونوں میں نظر آیا۔ مگر مجھے ایسا اختلاف دکھائی نہیں دیا۔ جسے دوسرے بیان کی ضد کہا جا سکے، لیکن جناب تبسم (پیش لفظ ملفوظات رومی ص۱۲) فرماتے ہیں کہ:-

"حقیقت یہ ہے کہ (ماجدی اور بدیعی نسخوں کے) متن میں جابجا اختلاف موجود ہے، یہاں تک کہ بعض جگہ ایک متن کے صفحوں کے صفحے دوسرے متن سے نہیں ملتے، اور بعض مقامات پر تو ان کا مطلب ایک دوسرے کی ضد ہو کر رہ گیا ہے۔ ہم طوالت کے خوف سے یہاں صرف پانچ پانچ اقتباس ان (ماجدی و بدیعی) ایڈیشنوں میں سے پیش کرتے ہیں، جن سے یہ اختلاف واضح ہو جائے گا۔"

ہم حضرت تبسم کی رہنمائی میں ضرور اگلے صفحوں میں ایک ایک کرکے ان کے پیش کردہ پانچوں نمونوں پر غور کریں گے، مگر اس کے باوجود ہماری نگاہیں تلاش کررہی ہیں کہ دونوں نسخوں کے متضاد بیانات کہاں ہیں؟

۱- جناب تبسم کے پیش کردہ اختلافات کا پہلا نمونہ

ہندی ایڈیشن ص۸۹ — ایرانی ایڈیشن ص۹۵

"اکنون اگر در بیت مبالغہ کنیم در حق عاشق آن مبالغہ نباشد" "اگر در بیت مبالغہ کنیم در حق معشوق آن مبالغہ نباشد"

شہاب کی عرض ہے کہ دونوں نسخوں میں اختلاف ہو یا نہ ہو۔ مگر تبسم صاحب کی کتاب نے ہندی اور ایرانی ایڈیشنوں کے جو صفحے بتائے ہیں، ان میں نسبت بدل گئی ہے، ہندی نسخہ کے صفحے ایرانی نسخہ کی طرف اور ایرانی نسخہ کے صفحے ہندی نسخہ کی طرف منسوب ہو گئے ہیں، یہ اس لئے عرض کیا گیا کہ ملفوظات رومی کے "پیش لفظ" میں غلط نشان دہی کی وجہ سے مجھے پہروں بھٹکنا پڑا، رہا ایک نسخہ میں عاشق اور دوسرے میں معشوق ہونا۔ اسے اختلاف نہیں کہا جائے گا۔ کہ یہاں "عاشق و معشوق" کے لفظ بطور علم کے نہیں بطریق صفت آئے ہیں، اور یوں بھی ہر کامیاب اور عاشق صادق معشوق بھی ہوتا ہے اور ہر معشوق عاشق بھی۔ کیا رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا؟

۲- اختلاف کا دوسرا نمونہ

ہندی ایڈیشن ص۲۱ — ایرانی ایڈیشن ص۱۷

"ہمچنین علمائے این زمان در علوم موی می شگافند و چیزہائے دیگر را کہ بایشان تعلق دارد بغایت دانستہ اند" "اکنون ہمچنین علما و اہلِ زمان در علوم موی می شگافند و چیزہائے دیگر را کہ بایشان تعلق ندارد بغایت دانستہ اند"

سچ ہے کہ بظاہر دونوں عبارتوں میں اختلاف نظر آتا ہے، ہندی نسخہ میں ہے کہ علما نے دوسری چیزوں کو جو ان سے تعلق رکھتی ہیں بغایت جان لیا ہے اور بدیعی نسخہ کی عبارت میں ہے کہ علماء نے دوسری چیزوں کو جو ان سے تعلق نہیں رکھتیں بغایت جان لیا ہے، لیکن اگر دقت نظر سے کام لیا جائے تو یہ اختلاف

اختلاف نہیں رہتا۔ البتہ "ملفوظات رومی" کے کاتب نے نقل میں تھوڑا تھوڑا "عقل" کو دخل دیدیا ہے۔

۳۔ اختلاف کا تیسرا نمونہ

ہندی ایڈیشن صـ ۳۵

"ہر کہ از دور نظر کند عَلَم تنہا بیند اما آنکہ از نزدیک نظر کند وزیر عَلم خلقے بیند و این دُوری و نزدیکی بہ مسافت نیست، یعنی غافل ہمین تن بیند و دانا چوں نظر کند بداند کہ در وچہ گوہرہا و چہ معنی ہاست"

ایرانی ایڈیشن صـ ۳۱

"ہر کہ از دور نظر کند عَلَم تنہا بیند اما آنکہ از نزدیک نظر کند بداند کہ در وچہ گوہرہاست وچہ معنیہاست"

شہاب عرض کرتا ہے کہ یہاں دونوں ایڈیشنوں میں کچھ لفظوں کی کمی بیشی ہے، مگر مطلب یا مرکزی خیال میں کوئی اختلاف نہیں۔

۴۔ اختلاف کا چوتھا نمونہ

ہندی ایڈیشن صـ ۵

"چنانچہ عرب مثل می گوید نحن نعلمنا ان نعطی ما تعلمنا ان ناخذ پس علی کل حال ایشاں مزدور باشند و امراز ائر (اصل کتاب میں پیرا ختم ہوا) (اور نیا پیرا شروع ہوا) خدائے تعالیٰ فرمود بر علم خود و قوت و قدرت خود تکیہ مکنید، و عالم و قوی و فادرم را دانید، تا شمارا از استعانت بغیر و التجا با امراو سلاطین نگاہ دارم، ایاک نعبد و ایاک نستعین بگوئید) در خاطرم چون چنیں می آید کہ ایں را تفسیر می کنم، اگرچہ مناسب این مقال نیست، اما در خاطرم چون چنین می آید پس بگوئیم تا بردد۔"

ایرانی ایڈیشن صـ ۲

"چنانکہ عرب مثل می گوید نحنُ تعلّمنا اَن نعطی ما تعلّمنا اَن ناخذَ پس علی کل حال ایشان مزدور باشند و امراز ائر (پیرا ختم) (نیا پیرا) در خاطرم می آید کہ این آیت را تفسیر کنم اگرچہ مناسب این مقال نیست گفتم اما در خاطر چنین می آید پس بگوئیم۔ تا بردد۔"

اوپر کی منقولہ عبارتوں میں بظاہر بڑا فرق نظر آتا ہے۔ مثلاً ہندی نسخہ کی منقولہ عبارت کے دوسرے پیرے کی ابتدائی عبارت جسے میں نے ڈبل قوسین میں کر دیا ہے، ایرانی یا بدیعی نسخہ میں نہیں ہے۔ اس سے یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں نسخوں کی عبارتوں میں کمی بیشی ہے، مگر ان میں تضاد کی کوئی بات نہیں، دونوں عبارتوں میں تضاد تب ہوتا کہ مثلاً ہندی ایڈیشن میں ہوتا کہ خدا ہی کو عالم و قادر جانو اور اس کے مقابلہ میں ایرانی ایڈیشن میں غیر اللہ کو عالم و قوی و قادر بتایا جاتا۔ پس دونوں نسخوں کے مضمون میں تفصیل و اجمال تو ضرور ہے، لیکن مضمون یا مطلب میں تضاد نام کو بھی نہیں۔

میں نے دونوں نسخوں کی عبارتوں کو اصل کے مطابق نقل کیا ہے، لیکن انہی عبارتوں میں "ملفوظاتِ رومی" کے کاتب نے جو اصلاح دی ہے، اس کی طرف اشارہ ضروری ہے،

مثلاً ہندی ایڈیشن کی عبارت میں ہے "تکیہ مکنید" ملفوظات رومی (اُردو) کے کاتب نے "تکیہ" کو "تاکید" بنا دیا۔ اصل عبارت میں تھا۔ "خدائے تعالیٰ" کاتب نے صرف "خدا تعالیٰ" رہنے دیا۔ اصل میں تھا "شمارا از" ملفوظات میں رہنے دیا گیا "شما از" اصل میں ہے، "ایاک نعبد و ایاک نستعین" ملفوظات میں ناقل کی طرف سے کلام اللہ میں اصلاح ہوئی کہ صرف "ایاک نستعین" قبول کیا گیا۔ اصل پوری آیت کا مطلب تھا کہ اے اللہ ہم تیرے ہی عابد یا تیرے ہی پجاری ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں، کاتب کی اصطلاح کے بعد بندے کی طرف سے بندگی و خدمت بجالانے یا عبادت کرنے کا اقرار تو باقی نہیں رہا۔ مگر خدا سے مانگنے پر اصرار ہی اصرار باقی ہے، اصل میں تھا "چون چنین" یہاں تین نونوں میں سے اول و آخر نون کے نقطہ کو کم کر دیا گیا ہے، اصل میں تھا "بگوئیم" اصلاح ہوئی "بگوئم"

ایرانی نسخہ میں کسی لفظ کے آخری نون کو ہمارے ہاں کے رواج کے مطابق غنہ یا بے نقطہ نہیں چھاپا گیا، لیکن ملفوظات رومی میں ایرانی نسخہ سے کوئی عبارت بطور حوالہ نقل کرتے ہوئے اس کا خیال نہیں رکھا گیا۔ ایرانی نسخہ میں تھا "بگوییم" ملفوظات رومی میں پہلی ی کو ہمزہ میں بدل دیا گیا۔

۵- اختلاف کا پانچواں نمونہ

ہندی ایڈیشن ص۱۱	ایرانی ایڈیشن ص۸
"تمیز آن یک صفتیست مخفی در آدمی، نمی بینی کہ دیوانہ ہم جسد و دست و پا دارد، اما تمیز ندارد، بہر نجاست دست می بر دو می گیر د و می خورد، و اگر این تمیز درین وجود ظاہر بودی نجاست رانگرفتی پس دانستیم کہ تمیز آن معنی لطیف است کہ در تست"	"تمیز آن یک صفت است نمی بینی کہ دیوانہ را دست و پاے ہست اما تمیز نیست، تمیز آن معنی لطیفست کہ در تست"

دیکھ لیجئے یہاں بھی اختلاف کی نوعیت وہی ہے جو متواتر اُوپر عرض کی جا چکی ہے۔ ہندی ایڈیشن میں بے تمیزی کو مثال دے کر بیان کیا گیا ہے۔ اور ایرانی ایڈیشن میں مثال نہیں ہے۔ تفصیل و اجمال کا فرق مسلّم۔ مگر تضاد مطلق نہیں۔

لیکن کاتبِ "ملفوظات رومی" نے یہاں بھی دونوں نسخوں کی عبارت میں کسی قدر اصلاح ضروری خیال کی ہے۔ مثلاً ہندی نسخہ کی عبارت کے "صفتیست" کو "صفتست" بنا دیا۔ "دارد اما" کو "دارد و اما" کر دیا۔ "نجاست رانگرفتے" کو "نجاست وانگرفتے" بنا دیا۔ اور "دانستیم" کو صرف "دانستم" ایرانی نسخہ کی عبارت کے نقل کرنے میں "ملفوظاتِ رومی" کے کاتب نے لفظ کے آخری نون میں نقطہ دینا غیر ضرور خیال کیا ہے، حالانکہ غلط ہو یا صحیح، موزوں ہو یا ناموزوں۔ "نقل" کو اصل کے مطابق ہونا چاہیئے۔ اور "دیوانہ را دست" کے "را" کو غلط سمجھ کر "در" میں بدل دیا۔ غور کیجئے معنوں میں تو کسی قسم کا فرق نہیں آگیا؟

"ملفوظات رومی" کی کتابت کی غلطیوں یا "اصلاحوں" کے سلسلہ میں ایک "غلطی" یا "اصلاح" رہی جاتی ہے، کتاب کے "پیش لفظ" کے ص۱۸ سطر۸ میں ایک لفظ "منغض" بضاد چھپا ہے، جو بے موقع معلوم ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ فاضل مترجم نے "منغص" بصاد لکھا ہو گا۔ یہی حسب موقع اور با معنی خیال میں آتا ہے۔ لیکن کاتب نے ایک نقطہ کا اسرافِ بے جا کر کے لفظ کو غالباً

بے موقع اور مطلب کو خبط کر دیا۔

تبسم صاحب نے اپنے ہاں کے کاتبوں کی غلط نویسی کا بشدت شکوہ کیا ہے اور یہ غلط نہیں۔ پھر نہیں معلوم کیوں انھوں نے اپنے "پیش لفظ" کا مسودہ ایسے کاتبوں کو دے کر دیکھا بھی نہیں کہ ان حضرات یا حضرت نے اُن کی تحریر کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ہے، حالانکہ بحیثیت مصنف و مترجم کاتبوں کی غلط نویسیوں کا علم رکھتے ہوئے ان کا فرض تھا کہ غفلت سے کام نہ لیتے، اگر وہ مجبور تھے تو ہمیں "ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور" سے بجا شکوہ ہوگا کہ جب وہ علمی کتب کی اشاعت کا اتنا بڑا کاروبار کر رہے ہیں، تو کتابوں کی صحت و عمدگی کی طرف سے بے پروائی برت کر اپنے ادارہ کی ساکھ کیوں گھٹا رہے ہیں۔؟

ایرانی "بدیعی نسخہ" میں جو طباعت کی اہم غلطیاں ہیں ان کی غلط نامہ مرتب کر کے اصلاح کر دی گئی ہے، مگر تبسم صاحب نے بدیعی نسخہ کی غلطیوں کو ایک جگہ "بے شمار" اور دوسری جگہ ڈیڑھ سو قرار دیا ہے، ہمیں تسلیم ہے کہ بدیعی نسخہ میں ابھی طباعت کی جزئی غلطیاں اور بھی موجود ہیں، مگر بے شمار نہیں، لیکن تبسم صاحب کی طرف سے بدیعی نسخہ کی طباعت کی بے شمار غلطیوں میں سے بطور نمونہ جو ایک غلطی پیش کی گئی ہے۔ آئندہ صفحوں میں اس کو دیکھیں گے۔ ہاں "ملفوظات رومی" میں کتابت وطباعت کی غلطیوں کی کمی نہیں، مگر غلط نامہ کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ (باقی)

حجلۂ گُل

حضرت الم مظفر نگری کا چوتھا مجموعہ کلام ہے، وہ تمام نظمیں اور غزلیں جو ملک کے مشہور اور معیاری اخبار و رسائل میں شائع ہو کر اہلِ نظر سے خراج داد تحسین حاصل کر چکی ہیں اس مجموعے میں شامل کر دی گئی ہیں، سب جانتے ہیں کہ حضرت الم مظفر نگری ملک کے صفِ اول کے شاعر ہیں ان کی خصوصیاتِ فن، اہلِ کمال سے مخفی نہیں ان کے یہاں قدیم و جدید رنگِ سخن کا بہترین امتزاج پایا جاتا ہے، پختگی کلام اور اثر آفرینی ہر شعر سے نمایاں ہے۔ کتاب بہترین کاغذ پر چھاپی گئی ہے گرد پوش دیدہ زیب، لکھائی چھپائی عمدہ، ان تمام خوبیوں کے باوجود قیمت صرف تین روپے ۵۰ نئے پیسے۔

مکتبہ برہان، اردو بازار جامع مسجد دہلی